اقبال اور تعمیر سیرت

مفتی عبد الـــودود

اقبال کی شہرت ایک شاعر اور فلسفی کی حیثیت سے ہے اور یہ دونوں ہی گفتار کے غازی زیادہ اور کردار کے غازی کم ہوتے ہیں ۔ شاعر جو کچھ کہتا ہے کرتا نہیں ۔ یقولون مالا یفعلون ۔ فلسفی بھی عمل سے زیادہ فکر کے میدان کا شہسوار ہوتا ہے ۔ اقبال اپنے بارے میں خود ہی کہتے ہیں ۔

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا غازی بن تو گیا کردار کا غازی بن نہ سکا

لیکن یہ شاعر اور فلسفی کی ایک کمزوری ہے جس میں معصومیت پائی جاتی ہے اس لئے کمزوری ہونے کے باوجود پسندیدہ سمجھی جاتی ہے ۔ ان کے بارے میں اسی لئے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ان کا اپنا عمل کیا ہے دیکھا یہ جاتا ہے کہ جو بات وہ کرتے ہیں وہ کیا ہے اور کیسی ہے ۔ اس لحاظ سے ہمیں اقبال کے یہاں کسی بھی مسئلے کے متعلق جو باتیں ملتی ہیں ان میں وزن بھی ہے اور گہرائی بھی ۔ اس لئے وہ انسان کو اپنی طرف متوجہ کئے بغیر نہیں رہتیں ۔ اقبال کی شاعری بنیادی طور پر اسلامی تعلیمات کی نقیب ہے ۔ ان کا فکر قرآن سے مستنیر ہے ۔ ان کا اسلام کا مطالعہ کسی عالم دین کے برابر نہ ہو لیکن وہ اپنے شاعرانہ شعور کی مدد سے بات کی تہہ تک پہنچنے میں بہت سے عالموں سے آگے دکھائی دیتے ہیں ۔ تعمیر سیرت کے موضوع پر ان کے افکار و خیالات ان کے کلام میں بکھرے ہوئے ہیں اور ان کی نوعیت کسی عام تصنیف کی طرح کسی مربوط اور مسلسل بیان کی نہیں، نہ مقالے اور مضمون کی ہے ، جس میں عقلی اور نقلی دلائل سے بات کو مستحکم کیا جاتا ہے ۔ شعر میں بات کہنے کا انداز نثر کے انداز سے مختلف ہوتا ہے ۔ یہاں بات وضاحت اور صراحت سے

نہیں اشارہ اور کنایہ میں کہی جاتی ہے۔ اور یہی شاعری کا کمال ہے۔

برهنہ حرف نہ گفتن کمال گویائی است
حدیث خلوتیان جز بہ رمز و ایمانیست

اور جیسا کہ کہا جاتا ہے کنایہ صراحت سے بلیغ ہوتا ہے۔ عربی مقولہ ہے الکنایة ابلغ من التصریح ۔ لیکن اس کو سمجھنے کے لئے ذہن کا رسا ہونا اور طبیعت کا اخّاذ ہونا ضروری ہے۔ اقبال کے کلام میں تعمیر سیرت سے متعلق جو مطالب بیان ہوئے ہیں ان میں اسلامی تعلیمات اور دینی روایات کا پرتو عیاں ہے۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو اقبال کو اردو کے تمام شعراء سے ممتاز کرتی ہے۔ ذیل میں ہم اختصار کے ساتھ سیرت و کردار سے متعلق اقبال کے خیالات کا ایک سرسری خاکہ پیش کرتے ہیں ۔

اقبال کا نظریۂ سیرت و کردار

بنیادی طور پر اقبال زندگی کو جہد مسلسل ، سعی پیہم اور کوشش ناتمام سے عبارت سمجھتے ہیں ۔ قرار ، سکون اور آرام کو وہ زندگی کے لئے زہرہلاہل جانتے ہیں ۔ لیکن یہ جدوجہد ، سخت کوشی اورتگ و دو ان کی نظر میں ایک مسلسل عمل ہی نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اس کی نوعیت تخلیقی ہے۔ یہ تخلیقی عمل انسان کو ایک قیمتی تحفہ کے طور پر عطا ہوا ہے۔ جس کے ذریعہ وہ اس دنیا کو ایک نئی صورت دے سکتا ہے اور اس میں ترتیب حسن اور نکھار پیدا کرکے ایک جہان تازہ آباد کر سکتا ہے۔ اقبال دنیا میں انسان کو شاہین (غالب نہ کہ مغلوب) جیسی زندگی گزارنے کی تلقین کرتے ہیں ۔ وہ حریت ، جوانمردی اور غیرت و خوداری کو اپنانے کا درس دیتے ہیں ۔ چاروں طرف پھیلی ہوئی وسیع و عریض کائنات کی تسخیر کے لئے سورج کی طرح تب و تاب (عمل کی حرارت) پیدا کرنے کا سبق دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ۔

ور بیائی چون شرار از خود مرو
در تلاش خرمنے آوارہ شو
تاب و تب داری اگر مانند مہر
پا بنہ در وسعت آباد سپہر
سینۂ داری اگر در خورد تیر
در جہان شاہیں بزی شاہیں بمیر
زندگی را چیست رسم و دین و کیش
یک دم شیری بہ از صد سال میش

تسخیر فطرت اور تسخیر کائنات ہی ایک ایسا مقصد نہیں جو اس کے پیش نظر رہتا ہے بلکہ ایک بلند اخلاق کا حامل انسان بلند تر اخلاقی مقاصد کے حصول کے لئے بھی کوشاں رہتا ہے۔ اقبال اعلےٰ سیرت و کردار کی خصوصیت کی تشریح اپنی مثنوی اسرار خودی میں اس وقت کرتے ہیں جب وہ حضرت علیؓ کے بعض ناموں میں پنہاں مطالب کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک بو تراب کے لقب کا مستحق صرف وہ شخص ہے جو اپنے مادی وجود اور ہوا و ہوس پر غلبہ پالیتا ہے۔ ایسا شخص پھول کی طرح نرم و نازک نہیں ہوتا بلکہ پتھر کی طرح سخت اور ٹھوس ہوتا ہے۔ وہ خود دار اور عمل کا پیکر ہوتا ہے۔ وہ اپنے زور بازو سے ایک نئے زمانہ کو وجود میں لاتا ہے۔ زندگی کے دوران اور موت کے وقت بھی وہ ہر جگہ جوانمردی کا ثبوت دیتا ہے۔ اقبال زندگی کو ایک ایسی قوت سمجھتے ہیں جو غلبہ پانے کے جذبہ سے نمو پاتی ہے۔ ان کے نزدیک طاقت مشکلات سے فرار میں نہیں پنجہ آزمائی میں نشوونما پاتی ہے۔ وہ انسان کو اشرف المخلوقات کی حیثیت سے اس کا مقام یاد دلاتے ہیں اور منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے کچھ اصولوں اور ضابطوں سے روشناس کراتے ہیں۔ افراد اگر خدا کی ودیعت کردہ صلاحیتوں، استعداد اور قوی کو بروئے کار نہ لائیں تو انسان کی خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہونے کی بجائے موت کی آغوش میں ابدی نیند سے ہمکنار ہو جاتی ہیں۔

فرماتے ہیں ۔

ہر کہ در آفاق گردد بو تراب
باز گرداند ز مغرب آفتاب

از خود آگاہی ید اللہی کند
از ید اللہی شہنشاہی کند

سنگ شو ، اے ہمچو گل نازک بدن
تا شوی بنیادِ دیوارِ چمن

گر نہ سازد با مزاجِ او جہاں
می شود جنگ آزما با آسماں

در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست
ہمچو مرداں جاں سپردن زندگیست

زندگی کشت است حاصل قوت است
شرح رمز حق و باطل قوت است

اے ز آداب امانت بے خبر
از دو عالم خویش را بہتر شمر

گویا وہ مسلسل اپنے علم اور ذہنی قوی میں اضافہ کرنے اور اپنی ذاتی استعداد کے بھرپور استعمال کی تلقین کرتے ہیں جس کے بغیر فرد ماحول کے رحم و کرم پر رہتا ہے ۔ اس کی اپنی قوت عمل مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے ۔

تو کہ از نور خودی تابندۂ
گر خودی محکم کنی پائندۂ

چوں خبر دارم ز ساز زندگی
با تو گویم چیست راز زندگی

غوطہ در خود صورت گوہر زدن
پس ز خلوت گاہ خود سر بر زدن

زندگی از طوف دیگر رستن است
خویش را بیت الحرم دانستن است

فکرو عمل کی یہ صلاحیتیں غیروں پر تکیہ کرنے کی بجائے عزت و آبرو کی زندگی بسر کرنے پر آمادہ کرتی ہیں اور اس کے لئے قوت و توانائی بخشتی ہیں ۔ لیکن یہ قوت اپنے بقا و استحکام کے لئے محبت اور عشق کے جذبہ کی محتاج ہے جو انسان کو دنیوی آلائشوں سے منزہ کرکے اس کا رشتہ اپنے خالق کے ساتھ استوار کرنے پر آمادہ کرتا ہے ۔

ہر خاکی و نوری پہ حکومت ہے خرد کی
باہر نہیں کچھ عقل خدا داد کی زد سے

عالم ہے غلام اس کے جلال ازلی کا
اک دل ہے کہ ہر لحظہ الجھتا ہے خرد سے

آخری شعر میں اس روح کی نشاندھی کی گئی ہے جو ذھنی عمل میں ھمیشہ موجود ھونی چاھئیے اور جس کے بغیر انسان اپنے فکر و عمل میں اللہ تعالی کی خوشنودی اور رضا کے تابع نہیں رہ سکتا ۔ وہ جانتا ہے کہ خدا کی رضا مقصود نہ ھو تو صلح بھی جو بظاھر نیک کام ہے سراسر بدی بن جاتی ہے اور اگر اس کی خوشنودی مطلوب ہے تو لڑائی بھی بلا شبہہ نیکی کی شکل اختیار کر لیتی ہے ۔ ھماری زندگی کا ایک ایک عمل صرف اور صرف اس کی منشاء و مرضی کے مطابق ھونا چاھئیے ۔

تابع حق دیدنش نادیدنش
خوردنش نوشیدنش خوابیدنش
قرب حق از ہر عمل مقصود دار
تا ز تو گردد جلالش آشکار

صلح شر گردد چو مقصود است غیر
گر خدا با شد غرض جنگ است خیر
هر که خنجر بهر غیر الله کشید
تیغ او در سینهٔ او آرمید

اقبال کا مرد مومن نے صرف خارجی طور پر حق کا پرستار اور باطل سے ٹکرانے والا ہے بلکہ وہ داخلی طور پر خود اپنی ذات سے بھی نبرد آزما رہتا ہے۔ وہ اپنے سفلی جذبات اور نفسانی خواہشات پر اس طرح جھپٹتا ہے جیسے چیتا ہرن پر حملہ کرتا ہے۔

مرد مومن زنده و باخود بجنگ
بر خود افتد همچو بر آهو پلنگ

ان اعلی و ارفع اخلاقی اور روحانی اقدار کا حامل انسان تعمیر خودی کے ذریعہ انتہائی بلندیوں تک پہنچ جاتا ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

توحید کا عقیدہ انسانی فکر وعمل کو بلند تر معانی سے آشنا کرتا ہے۔ اللہ تعالی کی ذات اپنی جملہ صفات جلال و جمال کے ساتھ انسان کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہے۔ اسی سے اس میں عزت نفس اور جوانمردی کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ وہ بدی کی قوتوں سے مفاہمت اور تعاون کی بجائے ستیزہ کار رہتا ہے۔ وہ کسی طرح غیر اللہ کا سہارا لینا گوارا نہیں کرتا۔

خودی را مردم آمیزی دلیل نارسائی ها
تو اے درد آشنا بیگانه شو از آشنائی ها
بدر گاه سلاطیں تا کجا ایں چهره سائی ها
بیا موز از خدائے خویش ناز کبریائی ها
محبت از جوانمردی بجائے می رسد روزے
که افتد از نگاهش کاروبار دلربائی ها

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ مسلمان وہ ہے جو خدا کے سوا ہر شے سے بے نیاز ہو اور اس کی ذات دنیا کیلئے خیروبرکت کا سرچشمہ ہو۔ وہ اپنا رزق کمینوں کے ہاتھوں سے لینا قبول نہ کرے۔ ایک جگہ عرفان نفس اور خود آگاہی کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فرد اس لئے فرد ہے کہ اس نے اپنی ہستی کو پہچان کر پیام مصطفےٰ کے مطابق تمام باطل خداؤں کو چھوڑ دیا۔

مسلم استی بے نیاز از غیر شو
اہل عالم را سراپا خیر شو
رزق خود را از کف دوناں مگیر
یوسف استی خویش را ارزاں مگیر
از پیام مصطفےٰ آگاہ شو
فارغ از ارباب دون اللہ شو

اقبال کے نزدیک اللہ کا ڈر ہر قسم کے خوف سے انسان کو مبرا کر دیتا ہے۔ نفسیات کا علم اور تجربہ بھی یہی بتاتا ہے۔ موجودہ زمانے میں جنگ و جدال جبرو استبداد، طاقت کی نمائش اور دوسروں کا استحصال ڈر اور خوف ہی کا شاخسانہ ہے۔ طاقتور کے ہاتھوں کمزور کا پسنا۔ جدید خیالات و تصورات کو دبا دینے کا رجحان۔ ناجائز ذرائع سے حاصل کردہ مال و دولت کو قانونی تحفظ دینا۔ اہل ثروت کا دوسروں کے مقابلہ میں ہر لحاظ سے تفوق۔ قوموں کے درمیان اسلحہ کی دوڑ اور اس قسم کے دیگر منفی رجحانات سے صاف طور پر عیاں ہے کہ موجودہ دور کے رگ و ریشے میں خوف و بیم، حسد اور جلن، بغض و عناد، خوشامد اور جھوٹ کا زہر سرایت کر چکا ہے۔

لابہٗ و مکاری و کین و دروغ
ایں ہمہ از خوف می گیرد فروغ

هر شر پنهاں کہ اندر قلب تست
اصل او بیم است اگر بینی درست

اقبال نفسیات کے علم اور فطرت انسانی کے رموز سے بخوبی واقف ہیں اسی لئے فرماتے ہیں تیری تعمیر جس مٹی سے کی گئی ہے اس میں محبت کے ساتھ خوف کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ خوف کا علاج یہ ہے کہ عصائے لاالہ سے اس کا قلع قمع کر دیا جائے۔

طرح تعمیر تو از گل ریختند
با محبت خوف را آمیختند
خوف دنیا خوف عقبیٰ خوف جاں
خوف آلام زمین و آسماں
حب مال و دولت و حب وطن
حب خویش و اقربا وحب زن
تا عصائے لاالہ داری بدست
ہر طلسم خوف را خواہی شکست

توحید کا عقیدہ انسان کے اخلاق و کردار پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کے اثر سے ڈر اور خوف کے جذبات مفقود ہو جاتے ہیں اور طبیعت میں دلیری اور شجاعت کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی
آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اب دیکھنا یہ ہے کہ اقبال معاشرہ کے افراد کے لئے اخلاقی طور پر کن امور کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ اقبال ایک منظم معاشرہ میں افراد کے باہمی احترام اور حسن سلوک کو نہایت ضروری سمجھتے ہیں۔ اگر باہمی رواداری کا جذبہ موجود نہ ہو تو ظاہر ہے تصادم اور

ٹکراؤ کی صورتیں پیدا ہوں گی۔ اپنی خودی کی حفاظت کے ساتھ دوسروں کی خودی کا احترام ایک لازمی امر ہے۔ معاشرہ کے دیگر افراد کی آراء، عقائد، افکار و خیالات یا باہمی اختلافات کو اگر گوارا نہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم معاشرے کو ارتقا کی بجائے شکستگی سے ہمکنار کر رہے ہیں۔ بال جبریل میں وہ بنی نوع انسان کی محبت کا درس دیتے ہیں جو حق پسندی سے پروان چڑھتی ہے۔

درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دلی نہ صفاہان نہ سمرقند
کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نے ابلۂ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند
اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند
مشکل ہے کہ اک بندہ حق بین و حق اندیش
خاشاک کے تودے کو کہے کوہ دماوند

اقبال کے نزدیک رواداری کو کمزوری پر محمول نہیں کیا جا سکتا بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ صلاحیت بھی طاقت و قوت سے جنم لیتی ہے۔ دوسروں کے عقائد اور آراء کے احترام کے ساتھ اپنے عقائد سے گہری وابستگی بھی لازمی ہے۔ بنیادی طور پر اقبال رواداری کو سچی انسانیت اور مذہب کی اعلیٰ روح سمجھتے ہیں۔ وہ کافر و مومن سب کو خدا ہی کی مخلوق سمجھتے ہیں اور حرف بد کو زبان پر لانا گناہ سے کم نہیں جانتے۔

دیں سراپا سوختن اندر طلب
انتہائش عشق و آغازش ادب
حرف بد را بر لب آوردن خطاست
کافر و مومن ہمہ خلقِ خداست
بندہ عشق از خدا گیرد طریق
می شود برکافر و مومن شفیق

آدمیت احترام آدمی
با خبر شو از مقام آدمی

اقبال سیرت و کردار کی نشوونما کے لئے فقر یا استغنا کو نہایت ضروری سمجھتے ہیں اور مادہ پرستی کے رجحان کو تنقیدی نظر سے دیکھتے ہیں ۔ جس کے باعث انسان کی نظر سے اعلیٰ مقاصد اوجھل ہو جاتے ہیں اور اخلاقی ترقی مفقود ہو جاتی ہے ۔ انسان کو دنیوی مال و اسباب سے بے تعلقی کا رویہ اختیار کرنا چاہئیے ۔ اسی کا نام «فقر» ہے ۔ فقر سے بلند اخلاقی قدروں کا فروغ ہوتا ہے اور انسان ہر قسم کی برائی سے محفوظ رہتا ہے ۔

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغناء

فقر کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان کمزوری و بزدلی کا نشان بن جائے ۔ اور بنیادی حقوق تک سے دستبردار ہو جائے ۔ اس جگہ اقبال قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں ۔ «ولا تنس نصیبک من الدنیا ۔» «اور دنیا میں سے اپنا حصہ لینا مت بھولو» ۔ اقبال کی نظر میں دولت و ثروت اور طاقت و قوت کی وجہ سے جو کجروی پیدا ہوتی ہے فقر اسکے خلاف مدافعت کا رجحان پیدا کرتا ہے ورنہ اکثر مردان حق اندیش اور اہل نظر بھی دوسروں کیلئے نقصان کا باعث بن جاتے ہیں ۔ کثرت نعمت و تعیش سے سوز و گداز ، ہمدردی اور محبت کے جذبات و احساسات ناپید ہو جاتے ہیں ۔

گرچہ باشی از خداوندان ده
فقر را از کف مده از کف مده
اے بسا مرد حق اندیش و بصیر
می شود از کثرت نعمت ضریر
کثرت نعمت گداز از دل برد
ناز می آرد نیاز از دل برد

گزشتہ اوراق میں جو معروضات پیش کی گئیں ان سے اقبال کے نظریہ اخلاق و کردار کا ایک مجمل سا خاکہ سامنے آ جاتا ہے ۔ سیرت و کردار کے لحاظ سے «مرد مومن» وہ ہے جو اپنی انفرادیت کو اپنے ماحول میں مستحکم اور توانا رکھتا ہے ۔ وہ اللہ تعالیٰ کے معین کردہ

مقاصد کے حصول میں کوشاں رہتا ہے اور تسخیر کائنات کا مشن بھی جاری رکھتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ خود کو دنیا کی آلائشوں سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ عزت نفس اسے مہم جوئی اور جرأت مندی بخشتی ہے۔ رواداری اور دوسروں کے حقوق کی نگہداشت ایسے امور ہیں جن کی طرف وہ برابر اپنی توجہ کو مبذول رکھتا ہے۔ ایک جگہ اقبال مرد مومن کا خاکہ یوں کھینچتے ہیں ۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد ، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب اس کی نگہ دلنواز
نرم دم گفتگو گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز

آخر میں ایک نہایت ہی اہم سوال جو اقبال کے قارئین کو دعوت فکر دیتا ہے یہ ہے کہ اخلاق و کردار کا وہ آئیڈیل جو اقبال نے ہمیں دیا ہے کیا وہ انسان کی دسترس میں ہے۔ کیا اس تک رسائی یا اس کا حصول ممکن بھی ہے۔ انسانی کمزوریاں بھی تو سد راہ بنتی ہیں ۔ پھر اخلاق و کردار کے اس بلند نصب العین کو حاصل کرنا کیسے ممکن ہو ؟

اس سوال کا جواب یوں دیا جا سکتا ہے کہ آئیڈیل بہر حال ایک منزل ہے جو یقیناً بلند ترین حیثیت کی حامل ہے ۔ آئیڈیل کا حصول اتنا سہل نہیں تاہم اس کے حصول کی مخلصانہ جدو جہد سے ہمارے کردار کی راہ ضرور متعین ہوتی ہے۔ آئیڈیل تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش میں ہم جو کچھ حاصل کرتے ہیں اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ہمیں اس وقت ہوتا ہے جب ہم اپنا موازنہ کسی ایسے شخص سے کریں جو آئیڈیل سے محروم ہو ۔ اس میں اخلاقی ترقی اور کردار کی بہتری کے آثار ضرور ملتے ہیں ۔ اخلاقی اور روحانی آئیڈیل ایک نہایت ہی متحرک قوت ہے جس نے نہ صرف افراد کے اخلاق و کردار کی اصلاح کی ہے بلکہ قوموں کی زندگی میں بھی انقلاب برپا کیا ہے۔ اس سلسلے میں اہل عرب کی فکری اور عملی قوتوں کی نشوونما جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی ہدایات و تعلیمات کے

آئیڈیل کے زیر اثر ہوئی اس کی ایک روشن مثال ہے۔ آنحضور نے اسلام کے پیروؤں کے سامنے سیرت و کردار کا جو آئیڈیل پیش کیا ہم اس تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکیں لیکن اس آئیڈیل تک پہنچنے کی کوشش میں ایک سچا پیرو جو کچھ پا لیتا ہے وہ بھی کم نہیں۔ یہاں یہ نکتہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئیے کہ سیرت و کردار کی تعمیر کے لئے اقبال جو نسخہ تجویز کرتے ہیں وہ ان کی اپنی ایجاد نہیں۔ مقصد اور طریق کار دونوں میں انہوں نے اس ہستی کو سامنے رکھا ہے جس کی ذات ہر بات میں ہمارے لئے نمونہ اور مثال ہے۔

کتابیات

کلیات اقبال فارسی۔

کلیات اقبال اردو

جاوید نامہ ص ۱۸۴ ۔ ۱۸۵

اسرار خودی ص ۴۸ ۔ ۴۹ ۔ ۵۰ ۔ ۵۱

اسرار خودی ص ٦۵ ۔ ٦٦

ضرب کلیم ص ۳۹

اسرار خودی ص ٦۲ ۔ ٦۳ ۔ ٦۴

اسرار خودی ص ۷

زبور عجم ص ۱۲۴

رموز بے خودی ص ۱۵۸ ۔ ۱۵۹ ۔ ۱٦۱

رموز بے خودی ص ۹٦

اسرار خودی ص ۴۲

بال جبریل ص ۵٦ ۔ ۵۷

بال جبریل ص ۲۱

جاوید نامہ ص ۲۰۵

بال جبریل ص ۲۳

جاوید نامہ ص ۲۰٦

بال جبریل ص ۹۷۰

* * * * *